QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

برصغیر میں احیائے سنت اور ترویج حدیث: سید نذیر حسین دہلوی کی علمی و تدریسی خدمات کا تحلیلی مطالعہ

Revival of Sunnah and Promotion of Hadith in the Subcontinent: An Analytical Study of Sayyid Nazir Husain Dehlawi's Scholarly and Pedagogical Services

Fareed Ahmad
M. Phil Scholar, Islamic Studies, Green International University, Lahore: drche313@gmail.com
Dr. Ahmad
Assistant Professor, Islamic Studies, Green International University, Lahore: dr.ahmad@giu.edu.pk

Abstract

This study presents an analytical examination of the scholarly and pedagogical contributions of Sayyid Nazir Husain Muhaddith Dehlawi (popularly known as *Mīāñ Ṣāḥib*) toward the revival of the Prophetic Sunnah and the propagation of Hadith studies in the Indian Subcontinent. Following the decline of Mughal authority and the shift in religious leadership after the Waliullah initiative, Sayyid Nazir Husain emerged as a central figure in preserving and revitalizing Hadith scholarship for over half a century in Delhi. Utilizing a historical and analytical methodology, this paper investigates his ancestral background, educational trajectory under the legacy of Shah Muhammad Ishaq, and his pivotal role in establishing Delhi as a premier hub for Hadith studies. The research further highlights his method of instruction, which trained students across diverse legal schools to engage directly with foundational texts, and details his major literary work, *Fatāwā Nazīriyyah*, alongside his theological-jurisprudential treatise *Maʿyār al-Ḥaqq*. Additionally, the paper examines the socio-political challenges and trials he faced during the British colonial era, including his imprisonment and ideological opposition. Ultimately, this research underscores his enduring impact in bridging traditional Hadith sciences with broader reformative movements across South Asia.

Keywords: Sayyid Nazir Husain Dehlawi, Revival of Sunnah, Hadith Propagation, Subcontinent, *Fatāwā Nazīriyyah*, *Maʿyār al-Ḥaqq*, Islamic Scholarship.

تعارف

ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کی شاندار خدمات ہیں، اور ان کے کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس گھرانے نے احیائے سنتِ نبوی کے لیے انتھک محنت کی۔ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ نے عوام کو قرآن و حدیث سے روشناس کرایا، جس کے بعد ان کے فرزندوں نے ترجمہ قرآن، تفسیر اور حدیث کی بے لوث خدمت انجام دی۔ پھر ان کے پوتے شاہ اسماعیل نے میدانِ عمل میں اپنی جان تک قربان کر دی، اور شاہ ولی اللہ کے نواسے شاہ محمد اسحاق نے برصغیر کو علمِ حدیث سے سیراب کیا۔ ان کی مکہ مکرمہ ہجرت کے بعد، جس شخصیت نے اس عظیم خاندان کی علمی و تدریسی وراثت کو سنبھالا اور جو خاص و عام کا مرکز بن گئی، وہ سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں جو میاں صاحب کے نام سے معروف ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ائمہ اربعہ کی فقہ کے مقابلے میں ایک الگ فقہی و مسلکی وجود قائم کرنے میں حضرت سید نذیر حسین دہلوی کا کردار بہت بنیادی اور اہم ہے آپ کے مسلک و طریقہ کار سے جڑے ہوئے لوگوں کو عام طور پر اہل حدیث وہابی اور غیر مقلدین کے نام سے پہچانا جاتا ہے جبکہ اس دور میں آپ کے مسلک کے ماننے والے اپنی الگ پہچان اور امتیازی نام کے طور پر سلفی کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کی سوانح، علمی و تدریسی خدمات اور فقہی منہج پر مختلف کتب و مقالات میں گراں قدر کام موجود ہے، جن میں ان کے تعلیمی سفر، ترویجِ حدیث اور عدمِ تقلید جیسے بنیادی افکار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں، بعض جامعات کی سطح پر ان کی تصانیف کا چند مخصوص فقہی مسائل کی حد تک جزوی تقابل بھی کیا گیا ہے، یعنی زیادہ تر تحقیقات محض سوانحی احوال یا جزوی مسائل تک محدود ہیں، جبکہ برصغیر میں احیائے سنت اور ترویجِ حدیث کے جامع تناظر میں ان کی علمی و

تدریسی خدمات اور فکری اثرات کا مکمل تحلیلی مطالعہ ابھی تک تشنہ کام تھا۔ زیرِ نظر تحقیقی مضمون اسی علمی خلا کو پُر کرتا ہے۔ اس مضمون میں توصیفی، تاریخی اور تحلیلی منہج اختیار کیا گیا ہے، جس کے تحت بنیادی مصادر، مستند سوانحی کتب اور علمی دستاویزات کی روشنی میں سید نذیر حسین دہلوی کی کاوشوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

شیخ اکرام رقمطراز ہیں کہ شاہ اسحاق کے بعد آپ نے دہلی کی اورنگ آبادی مسجد کو علم حدیث اور تفسیر کی ترویج کا بڑا مرکز بنایا اور نصف صدی تک اس علمی خدمت میں مشغول رہے شمالی ہندوستان کے بیشتر علمائے کرام کی اسناد کا سلسلہ آپ سے ہی جڑتا ہے اور اسی علمی مقام کی بدولت آپ کو شیخ الکل کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

سید نذیر حسین دہلوی کا خاندانی پس منظر

صوبہ بہار ہندوستان کا وہ تاریخی خطہ ہے جو اپنی مردم خیزی، علم و دانش اور روحانی روایات کے باعث ہمیشہ مرکزِ توجہ رہا ہے۔ اس سرزمین نے بڑے بڑے صوفیاء، فقہاء اور شعراء کو جنم دیا ہے جنہوں نے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی اپنے علم کا لوہا منوایا۔ اسی خطے سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالمِ دین سید نذیر حسین دہلوی کے بزرگوں کی تاریخ بڑی شاندار رہی ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ، سید احمد شاہ جاجنیری، قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت میں ہندوستان آئے۔ قطب الدین ایبک کی جانب سے بہار بھیجے جانے والے لشکر میں آپ نے بہادری کے جوہر دکھائے، جس کے بعد آپ بہار کے علاقے ایکساری میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

سید نذیر حسین بن سید جواد علی بن سید عظمت اللہ حسنی، حسینی بہاری، جو کہ میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ یہ خاندان نسل در نسل علم و فضل اور قضاوت کے اہم عہدوں پر فائز رہا۔ ان کی علمی قابلیت اور مرتبے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں، جیسے قاضی سید عبد النبی اور قاضی محمد سالم کی تقرری کی اسناد پر مغل بادشاہوں اورنگزیب عالمگیر اور شاہ عالم نے باقاعدہ اپنے دستخط اور مہریں ثبت کیں۔ البتہ سید احمد شاہ جاجنیری کے مزار کے مقام کے بارے میں دو مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا مزار موضع ندیانواں میں ہے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ کی قبر جونپور کے ایک قدیم قبرستان میں موجود ہے۔

مولانا محمد عبدہ رقمطراز ہیں کہ ضلع مونگیر کے سید احمد جاجنیری کا شمار صوبہ بہار کے قدیم صوفیائے کرام اور بزرگوں میں ہوتا ہے جاجنیر کے متعلق مختلف روایات ہیں جیسا کہ کتاب مناقب الاصفیاء میں اسے بغداد کا ایک محلہ یا قصبہ بتایا گیا ہے جبکہ بعض مقامات پر اسے ترمذ کا ایک قصبہ لکھا گیا ہے بہار کے ضلع مونگیر میں دریائے گنگا کے کنارے سورج گڑھ نامی ایک بڑا قصبہ ہے جو ماضی میں پرگنہ سورج کہلاتا تھا یہ مقام مونگیر سے بیس میل مغرب اور پٹنہ سے اسی میل مشرق کی طرف واقع ہے سادات بنی فاطمہ کا یہ دیرینہ مسکن ہی دراصل حضرت میاں صاحب کا آبائی وطن ہے۔[2]

ولادت اور تعلیم و تربیت

سب سے درست روایت کے مطابق سید نذیر حسین دہلوی کی پیدائش 1220ھ میں ہوئی۔ آپ کی زندگی کا ابتدائی حصہ گھڑ سواری، تیراکی اور جسمانی ورزشوں میں گزرا، جس سے آپ کی صحت تو بہت اچھی ہو گئی لیکن پڑھائی کا آغاز کچھ تاخیر سے ہوا۔ ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر بتاتے ہیں کہ سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ صوبہ بہار ضلع مونگیر میں سنہ 1220ھ بمطابق سنہ 1805ء میں پیدا ہوئے۔[3]

بچپن میں سید نذیر حسین دہلوی کا رجحان کھیل کود اور تیراکی کی طرف زیادہ تھا اور پڑھائی کی طرف توجہ کم تھی، لیکن والد کے ایک دوست کی ترغیب پر انہیں علم کی ایسی لگن ہوئی کہ وہ سولہ سال کی عمر میں الہ آباد چلے گئے، جہاں انہوں نے عربی گرامر اور دیگر ابتدائی کتب کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد وہ دہلی روانہ ہوئے اور 1242ھ میں وہاں پہنچے، جہاں تک پہنچتے پہنچتے شاہ عبد العزیز کا وصال ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے ان کے شاگردوں اور دہلی کے دیگر مایہ ناز علماء سے علوم درسیہ مکمل کیے۔ بعد ازاں، آپ کا رجحان علمِ حدیث کی طرف ہو گیا اور مولانا عبد الخالق اور شاہ محمد اسحاق سے بخاری شریف سمیت علومِ حدیث کی گہری تعلیم حاصل کی، جس میں آپ نے تیرہ سال تک شاہ اسحاق کی صحبت میں رہ کر مکمل مہارت حاصل کی۔

[1] شیخ اکرام، موجِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1981ء، ص:80۔

[2] شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی، ص:92۔

[3] ظفر، عبد الرؤف، سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دیلوی، محدث، مدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، جلد:12، عدد:5، جمادی الآخر 1402ھ، ص:37۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

پرفیسر محمد مبارک سید نذیر حسین کے تعلیم کی ابتداء کا بتاتے ہیں کہ الشیخ سترہ سال کی عمر میں تعلیم کے لیے اپنے آبائی وطن سورج گڑھ، ضلع منگیر سے روانہ ہو کر صوبہ بہار کے "مدینۃ العلم"، عظیم آباد پٹنہ، محلہ صادق پور، محلہ نموہیاں میں شاہ محمد حسین کے پاس پہنچ کر تعلیم شروع کی۔ اس مدرسے میں مشکوٰۃ اور قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا۔[1]

ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پٹنہ چلے گئے، جو اس دور میں علم کا مرکز تھا۔ وہاں آپ نے شاہ محمد حسین کی درسگاہ میں چھ ماہ رہ کر عربی گرائمر، ترجمہ قرآن اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا قافلہ پٹنہ پہنچا۔ سید نذیر حسین دہلوی نے ان کی ملاقاتوں اور تقاریر سے بہت اثر لیا، جس کے بعد آپ کے دل میں دہلی جا کر مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ بعض مورخین کا یہ خیال بھی ہے کہ آپ کو علم کا شوق کسی اور علاقے میں نصیحت سننے سے ہوا، لیکن خود آپ کے اپنے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو یہ لگن سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی صحبت اور وعظ سے ہی ملی تھی۔

آپ نے ابتدائی علم اپنے والد سید جواد علی سے پایا جبکہ قرآن کریم اور حدیث کی کتاب مشکوۃ شریف کی تعلیم بہار کے دارالحکومت پٹنہ کے محلہ تموہیاں میں قائم شاہ محمد حسین کے مدرسے سے حاصل کی پٹنہ میں قیام کے دوران ہی آپ کو شاہ اسماعیل شہید کا بیان سننے کا موقع ملا جس کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ ہم اس مجلس میں موجود تھے اور پورا میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جبکہ سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید سے آپ کی پہلی ملاقات بھی اسی سفر پٹنہ کے دوران ہوئی تھی۔[2]

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ سید صاحب اور مولانا شہید کی محبت اور ان کے بیان کے اثر سے میاں صاحب کے دل میں دہلی جا کر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ ان کا اصل مقصد حضرت شاہ عبد العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر علم دین حاصل کرنا تھا۔[3]

پٹنہ میں چھ ماہ قیام کرنے کے بعد سید نذیر حسین دہلوی اپنے ساتھی مولوی بشیر الدین کے ساتھ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں غازی پور پہنچ کر آپ نے کچھ وقت قیام کیا اور اس دور کے مشہور عالم مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے فقہ اور علوم عربیہ کی کتب پڑھیں۔ غازی پور سے نکل کر آپ بنارس اور الہ آباد پہنچے، جہاں آپ نے سات، آٹھ ماہ تک عربی گرامر اور دیگر کتب کا مطالعہ کیا اور مولوی زین العابدین کے حلقہ درس سے فیض حاصل کیا۔ اس دوران آپ کو کتب بینی اور فارسی زبان پر بہت عبور حاصل تھا اور اردو شاعری کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے۔ اس کے بعد آپ کوڑا، کانپور اور فرخ آباد کے مختلف علاقوں سے گزرے اور پانچ رجب المرجب 1238ھ کو کانپور میں ایک مسجد میں قیام کے دوران اپنی آمد کی تحریر مسجد کی دیوار پر لکھی۔ مختلف مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے، بالآخر آپ 30 جنوری 1828ء کو دہلی پہنچ گئے۔ دہلی پہنچنے کے پندرہ دن تک آپ اپنے ہم وطن مفتی مولوی محمد شجاع الدین کے پاس رہے۔ وہاں شاہ اسحاق کی خدمت میں جانے کے لیے مناسب تیاری نہ ہونے کی وجہ سے آپ کٹرہ پنجابیاں کی مسجد اورنگ آبادی میں چلے گئے اور مولانا عبد الخالق سے علوم درسیہ کا دوبارہ آغاز کیا۔[4]

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "مسجد مولویوں کے ایک خاندان کی تولیت میں تھی۔ اختلافِ عقائد کی وجہ سے مولویوں کے دو گروہ تھے: ایک دہلوی، دوسرا بدعتی۔ پہلے گروہ کے سردار مولوی عبد الخالق صاحب تھے۔ دوسرے گروہ کے مولوی حاجی قاسم صاحب۔"[5]

عقد مسنون

آپ کا عقد آپ کے استاد کے ہاں ہوا، ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر لکھتے ہیں کہ آپ کا نکاح بارہ سو چھیالیس ہجری میں آپ کے استاد مولانا عبد الخالق کی صاحبزادی سے ہوا اور اس شادی کا سارا اہتمام حضرت شاہ اسحاق اور ان کے بھائی مولانا محمد یعقوب نے کیا تھا۔[6]

---

[1] محمد مبارک، حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، اہل حدیث ٹرسٹ، کراچی، 1406ھ، ص:2۔

[2] بہاری، فضل حسین، مولانا، الحیات بعد المات، مطبع اکبری، آگرہ، 1379ھ، ص:26۔

[3] بھٹی، محمد اسحٰق، تذکرہ مولانا غلام رسول قلعویؒ، مولانا غلام رسول ویلفیئر سوسائٹی گوجرانوالہ س ن، ص:23۔

[4] ماہنامہ محدث، لاہور، ج:27، شمارہ:9، ص:94۔

[5] صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار، مجلسِ ترقیِ ادب، کلب روڈ، لاہور، 1961ء، ص:44۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

شاہ ولی اللہ کے خاندان سے نسبت

سید نذیر حسین دہلوی کو خاندان ولی اللّٰہی کے ساتھ نہایت ہی شغف تھا، اور نسبت بھی نہایت زبر دست رکھتے تھے، مگر شاہ ولی اللہؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی نسبت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ان بزرگوں اور ان کی نسلوں کی علمی صلاحیتوں کا معترف ہوں جو مسائل کا حل براہ راست قرآن وحدیث سے نکالتے تھے اور اپنی فہم پر بھروسہ کرتے تھے وہ کسی بھی مصنف یا عالم کی اندھی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تحریروں کو دیکھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان پر الہامی فیض اور علم کا نزول ہو رہا ہے۔[1]

پروفیسر محمد مبارک لکھتے ہیں:

''شاہ محمد اسحاق کی ہجرت 1841ء سے 1856ء تک سید محمد نذیر حسین بہاری ثُم دہلوی قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر فنون پڑھاتے رہے۔ دہلی کے بادشاہ کی حکومت 1857ء میں ہی ختم ہو چکی تھی جبکہ الہ آباد کی دیوانی انگریزوں کے ماتحت کر دی گئی، اس وقت تو ہندو اور مسلم سب تماشائی بنے رہے لیکن جب معاشرتی اور معاشی حالات خراب ہونے لگے تب ان کو ہوش آیا تو مسلم ہندو نے مل کر جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔ مفاد پرست عناصر مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں موجود تھے۔ 1857ء کو جنگِ آزادی شروع ہوئی، 1857ء میں فتویٰ جہاد شائع ہوا جس پر احناف اور اہل حدیث علماء کرام کے دستخط ہیں۔ لیکن جنگِ آزادی 1857ء کے بعد ہی سے یہ مہم شروع کی گئی کہ جس طرح ہو علماء اہل حدیث کو عام طور پر اور خاص کر وہابی لیڈر شیخ الکل سید محمد نذیر حسین بہاری ثُم دہلوی کو بدنام کیا جائے۔ اس بارے میں نئے نئے من گھڑت واقعات زبانی اور تحریری طور پر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے پھیلائے گئے۔[2]

شاہ محمد اسحاق نے بارہ سو اٹھاون ہجری میں مکہ مکرمہ ہجرت کا ارادہ کیا تو سید نذیر حسین کو اپنا جانشین نامزد کر دیا انہوں نے اپنے دست مبارک سے انہیں تدریس کی سند اور فتوے جاری کرنے کا اجازت نامہ بھی دیا در حقیقت ان کے بعد پورے ہندوستان میں کوئی اور اس منصب کا اہل نہیں تھا اسی بنا پر لوگ آپ کو میاں صاحب کہنے لگے کیونکہ یہ معزز لقب شاہ ولی اللہ کے خاندان کے قریبی افراد کے لیے ہی مخصوص تھا۔[3]

اوصاف اور کمالات

آپ نے تشنگان علم کی بھرپور رہنمائی کی اور طلبہ کے سامنے پیچیدہ علمی نکات اور مسائل حل فرماتے رہے بارہ سو ستر ہجری تک آپ نے مختلف علوم اور تفسیر کی تدریس کی مگر اس کے بعد دنیاوی فنون چھوڑ کر خود کو صرف علم حدیث اصول حدیث فقہ اور تفسیر کے لیے وقف کر دیا آپ نے نصف صدی اسی نہج پر گزاری جہاں بخاری شریف کے اعتراضات کے جوابات دیتے اور طلبہ کو کتابوں کے زبانی اور بالکل درست حوالے فراہم کرتے آپ ہمیشہ دلیل سے بات کرتے تھے ایک مرتبہ قال بعض الناس کی عبارت پر حافظ عبد المنان کے اعتراض کو آپ نے متعدد کتب کے حوالوں سے رد کر کے ثابت کیا کہ اس سے مراد امام ابو حنیفہ کا مسلک ہی ہے اور فرمایا کہ اس نکتے سے علامہ عینی جیسے عظیم شارح بھی واقف نہ تھے آپ نے مجموعی طور پر پچھتر سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔[4]

سید نذیر حسین سلف صالحین کی بے ادبی سے منع کرتے تھے، مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مجلس میں علامہ ابن ہمام حنفی کا تذکرہ ہوا اور ان پر کچھ تنقید کی گئی تو آپ نے منع فرماتے ہوئے ہدایت کی کہ اتنے بڑے عالم دین کا نام ہمیشہ احترام اور اچھے الفاظ کے ساتھ لینا چاہیے۔[5]

---

[6] سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دیلوی، ص:38۔

[1] الحیات بعد المات، ص:168۔

[2] حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، ص:18۔

[3] سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، حافظ، تاریخ اہلحدیث، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص:418۔

[4] سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دیلوی، ص:38۔

[5] تھانوی، محمد اشرف علی، اشرف السوانح، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1427ھ، ص:124۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جنگِ آزادی کے سال بڑے آزمائش کے تھے، میاں صاحب کا ذکر اس سال کے "روزنامچہ" فارسی کے الفاظ میں ہے، جس کا مفہوم یوں ہے کہ مولانا سادات ِحسنی وحسینی سے ہیں۔ انہوں نے حدیث میں اجتہاد کا رتبہ پایا، فقہ میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اصولِ دین کی مکمل آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ علمِ تفسیر میں بے مثال ہیں، اور آج علم وعمل میں بے نظیر ہیں۔ وہ دن رات عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر لحاظ سے انہوں نے بندگیِ الٰہی کی بدولت بزرگی حاصل کی ہے اور رب کی پرورش و عنایات سے فیض یاب ہوئے ہیں۔[1]

آخری علالت کے دوران جب عون المعبود کے مصنف مولانا شمس الحق ڈیانوی اپنے بچے کے ساتھ عیادت کے لیے آئے تو آپ نے بڑے شوق سے اس بچے کی زبانی قرآن کریم کی تلاوت سنی بھوپال کی حکمران نواب سکندر بیگم نے جب آپ کو قاضی القضاۃ کا اعلیٰ سرکاری عہدہ پیش کرتے ہوئے اصرار کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں دنیاوی جاہ وجلال کو پسند نہیں کرتا اور اس منصب کی خاطر حدیث نبوی کی تدریس ہرگز نہیں چھوڑ سکتا آپ نے مزید فرمایا کہ یہ انتہائی افسوس کی بات ہوگی کہ میں تو آرام سے قاضی کی مسند پر بیٹھ جاؤں اور یہ غریب مسافر طلبہ مجھے ڈھونڈتے پھریں۔[2]

مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ طالب علمی کے دور میں ان کی ملاقات کے لیے دہلی کا سفر کیا جب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر آنے کا مقصد بتایا تو انہوں نے رہائش کے بارے میں دریافت کیا دوست کے ہاں قیام کا سن کر انہوں نے محبت آمیز شکوہ کیا کہ ملنے مجھ سے آئے ہو اور ٹھہرے کسی دوسرے کے پاس ہو۔[3]

سرسید احمد خان آپ کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم وفضل کے پیکر مولوی نذیر حسین غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں بالخصوص فقہ کے میدان میں انہوں نے ایسی مہارت حاصل کی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں سے آگے نکل گئے ہیں اور روایات پر ان کی نظر بے مثال ہے اس عظیم علمی مقام کے باوجود ان کی طبیعت میں عاجزی اور بردباری انتہا درجے کی پائی جاتی ہے۔ باعتبار سن کے جوان اور باعتبار طبیعت کے حلیم۔[4]

آپ سرسید کے ساتھ رہے اور اسی دور میں آپ کی تعلیمی خدمات کے اعتراف میں اعزاز دیا گیا محرم تیرہ سو پندرہ ہجری مطابق جون اٹھارہ سو ستانوے میں انگریز حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ہم جیسے فقیر لوگ یہ خطابات لے کر کیا کریں گے یہ تو بڑے لوگوں کے لیے ہوتے ہیں تاہم بعد میں حاکم وقت کی بات رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ افسر ہو جو چاہو کرو لیکن آپ ہمیشہ میاں صاحب یا نذیر حسین کہلانا ہی زیادہ پسند کرتے تھے۔[5]

مسلک کی ترجمانی میں آزمائشیں

برصغیر میں سید نذیر حسین دہلوی کے دور میں مسلمانوں کا سماجی اور سیاسی ماحول انتہائی حوصلہ شکن تھا۔ مغل سلطنت کے زوال اور برطانوی استعمار کے تسلط کے بعد، مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہو چکی تھی اور وہ ظلم، محکومی اور معاشی زبوں حالی کا شکار تھے۔ تعلیمی، عدالتی اور انتظامی نظام کو سیکولر بنا دیا گیا، جبکہ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی اور اس سے قبل شہیدین کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری قوت شدید کمزور ہو چکی تھی۔ دوسری طرف، انگریزوں کی پالیسیوں کی وجہ سے غیر مسلم ہر میدان میں مسلمانوں سے آگے نکل گئے، اور ملک میں ایک نیا سیکولر اور قومی نظریہ حاوی ہو گیا، جس نے مسلم معاشرے کو فکری اور مسلکی بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔

سید نذیر حسین دہلوی پر مقدمہ ہوا۔ انبالہ کا مقدمہ وہابیت 1280ھ (1866ء) میں چلایا گیا۔ صادق پور کے علمائے کرام اور اہل حدیث کی دیگر اہم شخصیات کی گرفتاری کے وقت میاں صاحب بھی اس کارروائی کی زد میں آگئے جس کے باعث آپ کو راولپنڈی جیل میں ایک سال قید کاٹنی پڑی اور اس مدت کے بعد آپ کو آزاد کر دیا گیا۔[6]

[1] دہلوی، میاں نذیر حسین، معیار الحق، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن، ص:4۔

[2] سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دہلوی، ص:38۔

[3] اشرف السوانح، ص:123۔

[4] سرسید، احمد خان، آثار الصنادید، ترتیب: ڈاکٹر معین الحق، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، 1966ء، ص:278۔

[5] سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دہلوی، ص:42۔

[6] موجِ کوثر، ص:81۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جیل کی سختیوں میں بھی آپ کا درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ عطاء اللہ نامی ایک طالب علم نے اسی قید کے دوران آپ سے بخاری شریف کی تعلیم حاصل کی اور پورا قرآن مجید بھی حفظ کیا۔[1]

سید نذیر حسین کو سفر حج میں بھی مسلک پر مبنی مشکلات درپیش رہیں۔ 1300ہجری میں میاں صاحب نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کے مخالفین وہاں بھی پہنچ گئے میاں صاحب نے منیٰ میں تین دن قیام کے دوران دن رات وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا جس میں شرک و بدعت سے بچنے حدیث پر عمل کرنے اور بری رسموں کی اصلاح کا تذکرہ تھا ان بیانات کی وجہ سے مخالفین نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جب ساتھیوں اور خادموں نے آپ کو خطرے سے روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ سنو صاحب میں بہت جی چکا ہوں اور اب مزید زندگی کی کوئی خواہش باقی نہیں ہے۔[2]

حج کی ادائیگی کے بعد جب آپ نے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کیا تو مخالفین نے حجاز کے گورنر غوری پاشا سے شکایت کر دی کہ یہ شخص غیر مقلد اور نجدی ہے جس پر میاں صاحب کو طلب کیا گیا مگر جب آپ نے کتاب و سنت پر مبنی اپنا سچا عقیدہ تفصیل سے بیان کیا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے امیر مدینہ کے نام ایک خط لکھا جس میں میاں صاحب کا پورا احترام کرنے کی تاکید کی گئی تھی جبکہ گورنر نے اپنی اس حرکت پر خود بھی معذرت کی اور گناہوں کی معافی کے ساتھ ساتھ اپنے حق میں دعا کی درخواست بھی کی۔[3]

مدینہ منورہ میں کچھ روز قیام کے بعد جب آپ واپس ہندوستان پہنچے تو ڈپٹی نذیر احمد کے مطابق اسٹیشن پر آپ کے استقبال کے لیے اس قدر ہجوم اکٹھا ہو گیا کہ پلیٹ فارم کے ٹکٹ ہی ختم ہو گئے اور ریلوے کے ملازمین حیران پریشان تھے کہ آخر یہ کس بڑی شخصیت کی آمد ہو رہی ہے۔[4]

سید نذیر حسین کی دینی خدمات

سید نذیر حسین دہلوی خاندانی شرافت، ذہانت، محنت، گہرے دینی شعور، اور علمی مہارت کی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ ان کی تعلیم 1249ھ میں مکمل ہوئی، جس کے بعد وہ عملی میدان میں اترے۔ انہوں نے روایتی طریقہ کار سے ہٹ کر صرف کتابیں پڑھانے کے بجائے طلباء کی ایسی تربیت کی کہ وہ خود صاحبِ علم و شعور بن گئے۔ ان کا بنیادی ہدف کتابیں لکھنا نہیں بلکہ ایسے باصلاحیت افراد اور رہنما تیار کرنا تھا جو امت میں صدیوں سے پھیلے ہوئے فکری جمود کو توڑ سکیں۔ انہوں نے تعلیم، تربیت اور دعوت کے عمل کو ایک ساتھ جوڑ کر افراد سازی کا کام کیا۔ اس مقصد کے لیے ان کا یہ طریقہ کار بہت مؤثر ثابت ہوا کیونکہ ان میں مضبوط ارادہ، بات سمجھانے کی صلاحیت اور مسلسل محنت کرنے کا عزم موجود تھا، جس سے انہوں نے امتِ مسلمہ کو تقلیدی جمود سے نکال کر ایک نئی زندگی اور فکر عطا کی۔[5]

تصوف میں خدمات

حضرت سید نذیر حسین دہلویؒ صوفیاء عظام سے بے حد عقیدت و محبت اور احترام کیا کرتے تھے خاص الخاص شیخ اکبر علامہ ابن عربیؒ سے تو بہت زیادہ عقیدت تھی۔ طبقہ علماء اکرام میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی بڑی تعظیم کرتے، اور خاتم الولایہ المحمدیہ فرماتے۔ اور بات بھی یہی ہے، کہ علم ظاہر و باطن کی ایسی جامعیت ندرت سے خالی نہیں ہے۔ مولانا قاضی بشیر الدین قنوج علیہ الرحمۃ جو شیخ اکبر کے سخت مخالف تھے۔ ایک مرتبہ دہلی سے اس غرض تشریف لائے کہ انکے بارے میں میاں صاحبؒ سے مناظرہ کریں، اور دو مہینے دہلی میں رہے، اور روزانہ مجلس مناظرہ گرم رہی، مولانا بہاریؒ لکھتے ہیں:

> ”میاں صاحبؒ اپنی عقیدت سابقہ سے جو شیخ اکبرؒ کی نسبت رکھتے تھے، ایک تل کے برابر بھی پیچھے نہ ہٹے، آخر ممدوح جن کو میاں صاحبؒ سے کمال عقیدت تھی، دو مہینے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔[6]

---

[1] تاریخ اہل حدیث، ص:420۔

[2] سرخیل علماء و محدثین سید نذیر حسین محدث دہلوی، ص:42۔

[3] تاریخ اہلحدیث، ص:421۔

[4] تاریخ اہل حدیث، ص:421۔

[5] ۔خطبہ صدارت، ص:7۔

[6] الحیات بعد المات، ص:123۔

مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق نے بھی میاں صاحبؒ سے کئی دن متواتر شیخ اکبر کی نسبت بحث کی، اور فصوص الحکم شیخ اکبر پر اعتراض جمائے۔ میاں صاحب نے پہلے سمجھایا، مگر جب دیکھا کہ ابھی لا تسلم ہی کے کوچہ میں یہ ہیں تو فرمایا کہ:

"فتوحات مکیہ شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہے، اور اسی لیے اپنی سب تصانیف ماسبق کی یہ ناسخ ہے۔[1]

خاندان شاہ ولی اللہؒ سے عقیدت و نسبت:۔ مولانا بہاریؒ فرماتے کہ میاں صاحبؒ اپنے اساتذہ مولانا شاہ ولی اللہؒ، مولانا شاہ عبد العزیزؒ، مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے تھے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقعہ پر فرماتے:

"مجھ سے اس کا مقراضی ترجمہ سنو جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے" اور بیان مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے "ہمارے حضرت یوں فرماتے ہیں"، اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا حضرت کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے: "مردود کیا یہ حضرت گھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے تھے۔"[2]

آپ کے ہم عصر بھی آپ کے اخلاق اور علمی عظمت کے قائل اور اس سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ خواجہ غلام فرید پاکپتن والے بھی آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت خواجہ محمد بخش نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں وہ کیسے آدمی ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"سبحان اللہ! وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ کسی شخص کی عظمت کے لیے یہی کافی دلیل ہے کہ دنیا میں اس کی مانند کوئی نہ ہو۔ چنانچہ آج کل کے زمانے میں علمِ حدیث میں ان کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ نیز وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہل اسلام کے کسی فرقے کو برا نہیں کہتے۔ یہ بات کس میں ہے؟ اب اگرچہ وہ بہت ضعیف ہو چکے ہیں، تاہم وہ اپنا کام خود کرتے ہیں حتیٰ کہ مہمان کو کھانا بھی خود اٹھا کر دیتے ہیں۔ وہ کسی شخص سے یہ نہیں پوچھتے کہ تم صوفی ہو یا کیا مذہب رکھتے ہو۔"[3]

تدریسی خدمات

سید نذیر حسین دہلوی کا تعلیمی و تدریسی کام اور خوبیاں اتنی نمایاں تھیں کہ وہ اپنے ہم عصر علماء اور ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کے دیگر تمام اساتذہ سے فائق تھے۔ ان کا نصاب اور تدریس کا طریقہ کار اس دور کے دیگر مدارس کے مقابلے میں بہت جدید اور اعلیٰ تھا۔ سید نذیر حسین دہلوی نے 1249ھ میں پنجابی کٹرہ کی اورنگ آبادی مسجد میں اپنی مسندِ درس بچھائی اور تقریباً 30 سال تک وہاں پڑھاتے رہے۔ 1857ء کے ہنگاموں کے بعد جب یہ محلہ تباہ ہو گیا تو آپ نے پھاٹک حبش خاں میں مدرسہ قائم کیا جہاں 40 سے 45 سال تک فیض عام جاری رہا۔ اس تمام دور میں شہر کی ویرانی، جنگ کے حالات اور مشکلات کے باوجود آپ کے تدریسی عزم میں کوئی کمی نہیں آئی۔

سید نذیر حسین دہلوی کا مدرسہ عوامی تعاون سے چلنے والا برصغیر کا سب سے بڑا غیر سرکاری اقامتی مدرسہ تھا۔ اس کے اخراجات دلی کے تاجروں اور نواب بھوپال جیسے اصحابِ ثروت سے پورے ہوتے تھے، لیکن آپ ہمیشہ عظمتِ علم کا خیال رکھتے ہوئے انتہائی بے نیازی سے کام لیتے تھے۔ مدرسہ کا پورا نظام، بشمول طلباء کے کھانے پینے اور رہائش کے، آپ کی ذاتی اور کڑی نگرانی میں چلتا تھا۔ اس مدرسے کا بنیادی ہدف روایتی انداز میں محض ڈگریاں یا سندیں بانٹنا نہیں تھا، بلکہ کتاب خواں کو صاحبِ کتاب بنانا، فکری جمود کو توڑنا اور افراد سازی کرنا تھا۔

مشکل حالات میں، سید نذیر حسین دہلوی نے شاہ ولی اللہ کی علمی وراثت اور تحریکِ مجاہدین کی شہید قیادت کے مشن کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے مسلمانوں کو فکری بکھراؤ اور تہذیبی زوال سے بچانے کے لیے اہم دعوتی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ان کی کوششوں سے تین بڑے مرکزی ادارے قائم ہوئے، جن میں بھوپال کا

[1] الحیات بعد الممات، ص:124۔

[2] الحیات بعد الممات، ص:166۔

[3] خواجہ غلام فرید، اشتہارارت فریدی مقابیس المجالس، سیال اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، 1399ھ، ص:23۔

عملی و تحقیقی ادارہ، صادق پور کا امارتِ شرعیہ سے متعلق سیاسی ادارہ، اور دہلی کا تعلیمی ادارہ شامل ہیں۔ یہ تینوں ادارے آپس میں جڑے ہوئے تھے اور ان کا بنیادی مقصد دین کی اشاعت، اسلامی بالادستی کا قیام اور مسلمانوں کا تحفظ تھا۔[1]

کابل میں مولانا عبد الحمید، مولوی اخوان، مولوی شہاب الدین اور مولوی عبد الرحیم، یاغستان میں مولوی محمد حسین، بخارا میں ملا رجب علی، سمرقند میں ملا جلال الدین، غزنی میں ملا شہاب الدین، قندھار میں ملا عبد الرحمن، ہرات میں مولانا عز الدین، حجاز میں شیخ عبد الرحمن بن عون نعمانی، نجد میں شیخ اسحاق بن عبد الرحمن، سوڈان میں شیخ علی بن قاضی اور شیخ عبد اللہ بن ادریس وغیرہ ہیں۔

آپ کے حلقۂ درس میں ہر طبقے اور شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے طلباء شریک ہوتے تھے، جن میں نوابوں کے بچوں سے لے کر غریب اور عام لوگ بھی شامل تھے۔ برصغیر کے علاوہ برما، نیپال، افغانستان، ماوراء النہر اور عرب ممالک سے بھی طلباء آپ سے علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ آپ کے مدرسے میں پڑھنے والوں کے اندراج کے لیے پانچ سال تک ایک رجسٹر رکھا گیا، جس میں آخری داخلہ بارہ ہزار کے قریب تھا، اور اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آپ کے شاگردوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ سکتی ہے۔ اس وقت عالمِ اسلام میں حدیث کی تدریس کے لیے آپ کا مدرسہ سب سے بڑا اور نمایاں ترین ادارہ تھا۔

سید نذیر حسین دہلوی کا درسِ حدیث چار بڑے امتیازی پہلوؤں پر مشتمل تھا: پہلا، تدریس کا عظیم اہتمام جو فجر سے عشاء تک چودہ گھنٹے جاری رہتا تھا۔ دوسرا، گہری تحقیق جو کئی کئی دن تک زیرِ عمل رہتی تھی۔ تیسرا، فن کی تخصیص اور چوتھا، فقہی مذاہب کا فقہ السنہ سے موازنہ کرنا۔ یہ چاروں امتیازات طلباء کی سوچ اور کردار کو مکمل طور پر بدل دیتے تھے اور انہیں تقلید کے جمود سے نکال کر متبعِ سنت اور داعیِ دین بنا دیتے تھے۔

آپ کے شاگردوں کی اس وسیع کھیپ نے برصغیر کے کونے کونے میں دین کا اجالا پھیلایا، جس نے معاشرے کے ہر شعبے—عقائد، عبادات، تجارت اور اخلاق—کو اسلامی سانچے میں ڈھالا۔ آپ کے شاگردوں کی متنوع صلاحیتوں سے زبردست داعی، محدث، مفسر، مناظر، صحافی اور سیاستدان تیار ہوئے، جن کے کارناموں نے پورے برصغیر میں گہرے تہذیبی، سماجی اور سیاسی اثرات مرتب کیے۔[2]

سید نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں کا تعلق برصغیر بالخصوص صوبہ بہار اور اس کے مختلف علاقوں سے تھا۔ تنزیل الصدیقی الحسینی نے دبستان نذیریہ کی ایک جلد میں نواسی اہل علم کا ذکر کیا ہے:

ڈیانواں سے تعلق رکھنے والے تلامذہ میں علامہ ابو الطیب شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، مولانا نور احمد محدث ڈیانوی، مولانا عبد الجبار ڈیانوی، مولانا محمد اشرف شرف الحق ڈیانوی، مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی اور مولانا حکیم عبد القیوم ڈیانوی شامل ہیں۔ نگرنہسہ سے تعلق رکھنے والوں میں علامہ علیم الدین حسین نگرنہسوی، علامہ حکیم عبد الباری نگرنہسوی، مولانا نذیر الدین حسین نگرنہسوی اور مولانا حکیم عبد العزیز نگرنہسوی شامل ہیں۔ مہدانواں سے وابستہ شاگردوں میں مولانا عبد الغفار نشر مہدانوی، مولانا فضل حسین مظفرپوری، مولانا ابو محمد عبد الرؤف مہدانوی اور مولانا حکیم محمد شریف فخر مہدانوی کے نام ملتے ہیں۔

پھلواری کے تلامذہ میں مولانا شاہ علی نعمت جعفری پھلواروی، مولانا شاہ عین الحق جعفری پھلواروی اور مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی شامل ہیں، جبکہ داناپور سے مولانا عبد الغفور نیر داناپوری اور مولانا شاہ محمد توحید نعمانی داناپوری نے فیض حاصل کیا۔ عظیم آباد اور نالندہ کے دیگر تلامذہ میں مولانا لطف العلی راج گیری بہاری، مولانا شاہ ممتاز الحق بہاری، مولانا عبد الغنی لعل پوری، مولانا حکیم وحید الحق استھانوی، مولانا حافظ عبد اللہ بازید پوری، مولانا سید بشارت کریم دیسنوی، مولانا عبد البر عظیم آبادی، مولانا محمد ابراہیم شکرانوی، مولانا عبد الحکیم پوری منیری، مولانا سید عبد الکبیر بہاری، مولانا عبد اللہ پنجابی گیلانی، مولانا سید محمد حاذق بہاری، مولانا الٰہی بخش بڑاکری بہاری، مولانا تلطف حسین عظیم آبادی، مولانا حکیم الٰہی بخش عظیم آبادی، شمس العلماء مولانا عبد الوہاب سربہدوی بہاری، مولانا رفیع الدین محدث شکرانوی، مولانا اوسط حسین مخدوم پوری، مولانا مولا بخش خان بڑاکری بہاری، مولانا سعادت حسین بہاری، مولانا شہود الحق عظیم آبادی، مولانا محمد احسن استھانوی، مولانا محمد قیس عظیم آبادی، مولانا عبد الرحمان اوگانوی، مولانا ابو تراب عبد الرحمٰن گیلانی اور مولانا حافظ ضیاء الدین شکرانوی شامل ہیں۔

آرہ سے تعلق رکھنے والے تلامذہ میں مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا محمد اسماعیل آروی، مولانا زین العابدین آروی، مولانا محمد اسحاق آروی، مولانا عبد الحکیم آروی اور مولانا محمد قاسم آروی شامل ہیں، جبکہ گیا سے قاضی تبارک حسین گیاوی، مولانا محمد ذاکر گیاوی اور مولانا عبد الحفیظ جہتی گیاوی نے استفادہ کیا۔ مونگیر اور شیخ

[1] المدنی، عبد المعید عبد الجلیل، خطبہ صدارت، علمی و تاریخی انٹرنیشنل سیمینار، جمعیت اہلحدیث، صوبہ دہلی، 4 ارچ 2017، ص:7۔

[2] حیات نذیر، ص:14۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

پورہ کے تلامذہ میں مولانا فضل حق رمضان پوری، مولانا سید انور حسین مونگیری اور مولانا حکیم عبد الحی ہاتف بجنوی شامل ہیں۔ بھاگل پور سے مولانا مفتی محمد سہول عثمانی بھاگل پوری اس حلقے سے وابستہ رہے۔ جھکا اور مغربی چمپارن سے مولانا حافظ شریف احمد جھمکاوی، مولانا ابوالخیر جھمکاوی، مولانا ابوسعید جھمکاوی، مولانا علی منظر جھمکاوی، مولانا ابوالسادات عبد الرشید بتیاوی اور چھپرہ سے مولانا عبد الخالق چھپروی کے نام نمایاں ہیں۔

مظفر پور اور حاجی پور سے مولانا حکیم ابویحیٰ محمد زکریا مظفر پوری اور مولانا عبد النور مظفر پوری نے علم حاصل کیا۔ دربھنگہ، سمستی پور اور مدھوبنی کے تلامذہ میں رحیم آباد سے علامہ عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا محمد یٰسین رحیم آبادی، مولانا عبد الرحیم رحیم آبادی اور مولانا حکیم محمود رحیم آبادی شامل ہیں، جبکہ دیگر تلامذہ میں مولانا محمد صالح بندھولی اور مولانا نور الحق دربھنگوی کے نام ملتے ہیں۔ پورنیہ سے مولانا حفیظ الدین لطیفی پوری نیوی اور جھاڑکھنڈ سے مولانا علی حسن مدھوپوری اور مولانا محمد اسحاق گڈاوی نے بھی ان سے فیض حاصل کیا۔[1]

تصنیفی خدمات

مولانا صاحب کی تصانیف کثیر ہیں۔ ان میں سے فتاوی نذیریہ سب سے مشہور ہے۔ فتاویٰ نذیریہ سید نذیر حسین دہلوی کے مختلف فقہی سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے، جو بعد میں ان کے تلامذہ اور عقیدت مندوں نے مرتب کر کے متعدد جلدوں میں شائع کیا۔ یہ مجموعہ عبادات، معاملات، معاشرت، عقائد اور جدید مسائل پر مشتمل فتاویٰ پر محیط ہے۔ فتاویٰ نذیریہ کو اہل حدیث مکتبِ فکر میں خاص مقام حاصل ہے، اور اولین و مستند فتویٰ کی حیثیت حاصل ہے۔

اس مجموعے میں نکاح و طلاق، وراثت، بدعات و رسومات اور جہاد جیسے موضوعات پر واضح مدلل فتوے شامل ہیں، جو برصغیر کے معاشرتی مسائل اور روایات کے تناظر میں پیش کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ نذیریہ میں نکاح اور طلاق کے معاملات میں اسلامی اصولوں کے مطابق والدین، خواہشات، مہر، عدت اور عدل کی اہمیت واضح کی گئی ہے، اور وراثت کے مسائل میں فروعی اور اصولی دلائل کے ساتھ میراث کے حقوق و فرائض بیان ہوئے ہیں، جو انفرادی اور اجتماعی معاملات میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس مجموعے میں بدعات و رسومات کے حوالے سے بھی اصولِ شرع کے مطابق رہنمائی موجود ہے، جہاں ایسی رسموں کی مخالفت کی گئی ہے جو نصوصِ شرعیہ سے ثابت نہ ہوں یا اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہوں، اور ان کی جگہ قرآن و حدیث کی روشنی میں سنتِ نبویہ کا اظہار پیش کیا گیا ہے۔

فتاویٰ نذیریہ کے ایک اہم فقہی باب میں جہاد کے مسائل بھی شامل ہیں، جس میں سید نذیر حسین دہلوی نے شرائطِ جہاد، فرضِ کفایہ کی حدود، اور برصغیر کے مخصوص سیاسی حالات میں جہاد کا فقہی مقام واضح کیا ہے۔ مجموعہ کے جلد سوم کے ایک فتوے میں بیان ہے کہ صرف وہی لوگ جن پر شرائطِ جہاد کا اطلاق ہوتا ہے جیسے تندرست، غنی، اور امامِ وقت کے زیرِ قیادت ان پر ہی فرضِ کفایہ قائم ہوتا ہے، اور جب تک ان شرائط کا وجود نہ ہو، جہاد کی اجازت نہیں دی گئی۔ فتاویٰ نذیریہ کو کئی لحاظ سے اپنے عہد کے دیگر بہت سے فتاویٰ پر امتیازی حیثیت ہے۔ یہاں پر چند نمایاں امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سید نذیر حسین دہلوی کی ایک اور اہم تالیف معیار الحق فی تنقید تنویر الحق ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

> "یہ گمان کہ سوائے ائمہ اربعہ کے کوئی بھی مجتہد نہیں ہوا ہے کذبِ ظاہر ہے اور انکار بدیہی کا ہے کیونکہ تمام اہلِ علم قائل ہیں کہ سینکڑوں مجتہد سوائے ائمہ اربعہ کے ہوئے ہیں۔ کئی پہلے ائمہ اربعہ کے صحابہ اور تابعین اور کئی بعد ان کے سو جو کہ قبل ان کے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہی ہیں پھر ان کا انکار مکابرہ محض ہے اس لیے ان مجتہدوں کو جو کہ بعد ائمہ اربعہ کے ہوئے ہیں بطورِ مشت نمونہ از خروارے ذکر کیا جاتا ہے۔"[2]

شاہ اسماعیل شہید نے ایک کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین تحریر کی، جس میں مختلف فقہی اختلافات کے بیان کے ساتھ ساتھ تقلید شخصی کا بھرپور رد کیا۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد اس کے رد میں ایک عالم مولانا محمد شاہ پاک پٹنی نے تنویر الحق نامی کتاب کو شائع کر کے شاہ اسماعیل شہید کے دلائل کے اثر کو زائل کیا۔ اس کے بعد میاں نذیر حسین دہلوی نے تنویر الحق کے رد میں معیار الحق فی تنقید تنویر الحق کا جواب لکھا جس میں تنویر الحق کا مکمل علمی محاکمہ کیا گیا ہے اور عام فہم انداز کو اختیار کیا گیا ہے تاکہ عام قاری کو بھی دلائل سمجھنے میں دقت کا سامنا نہ ہو۔

میاں نذیر حسین دہلوی اجتہاد اور تقلید پر بات کرتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں:

[1] الحسینی، تنزیل الصدیقی، دبستان نذیریہ، دار ابی الطیب، گوجرانوالہ، 2019ء، ص:13۔

[2] دہلوی، نذیر حسین، سید، معیار الحق فی تنقید تنویر الحق، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2007ء، ص:59۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

"ایک دن ان میں سے امامِ عالی مقام ابو ثور ہیں کہ تھے وہ ابتدا میں حنفی المذہب پھر شافعی مذہب کو مرجح دیکھ کر اختیار کیا بعد اس کے بذات خود تبحر حاصل کر کے مجتہدِ مستقل متبوع المذہب ہوئے اور بہت لوگ ان کے مقلد ہوئے۔ چنانچہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ابتدا میں انہیں کے مقلد تھے اور قرنِ خامس تک مقلدین ان کے منتشر ہوئے۔"[1]

وفات

دہلی میں 1320ھ مطابق اکتوبر 1902ء، سو برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ فرماگئے۔ آپ کو عید گاہ کی پچھلی جانب محلہ شیدی پورہ میں دفن کر دیا گیا۔[2]

خلاصۃ البحث

برصغیر پاک وہند میں خاندانِ شاہ ولی اللہ دہلوی کی احیائے سنت اور اشاعتِ علومِ حدیث کی کاوشوں میں سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمات ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ انیسویں صدی کے فکری و سیاسی زوال کے دور میں انہوں نے شاہ ولی اللہ کے فکری مشن کو آگے بڑھایا اور نصف صدی سے زائد عرصے تک دہلی کو علومِ حدیث کے مرکزی محور کے طور پر فعال رکھا۔ توصیفی، تاریخی اور تحلیلی منہج پر مبنی یہ تحقیقی مضمون میاں صاحب کی خاندانی نسبت، تدریسی خدمات، اور فتاویٰ نذیریہ و معیار الحق کی روشنی میں ان کے فقہی و اصلاحی منہج کا احاطہ کرتا ہے۔ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے تقلیدی جمود کے مقابلے میں براہِ راست کتاب و سنت سے استدلال کے منہج کو فروغ دیا، جس سے برصغیر میں اہل حدیث مکتبِ فکر کو علمی استحکام ملا اور ان کے ہزاروں تلامذہ کے ذریعے احیائے سنت کی تحریک پورے خطے میں پھیل گئی۔

تحقیق کے بنیادی نتائج سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سید نذیر حسین دہلوی کی علمی کاوشیں شاہ ولی اللہ اور شاہ محمد اسحاق دہلوی کی تجدیدی وراثت کا بلاواسطہ تسلسل تھیں، جنہوں نے دہلی میں اپنے مسندِ تدریس سے ہزاروں تلامذہ کی تربیت کر کے علومِ حدیث کو بین الاقوامی سطح پر عام کیا اور تقلیدی جمود کے مقابلے میں نصوصِ شرعیہ سے براہِ راست استنباط کو فروغ دے کر اہل حدیث فکری مکتب کو محکم علمی بنیادیں فراہم کیں۔ ان نتائج کی روشنی میں یہ سفارش کی جاتی ہے کہ میاں صاحب اور ان کے جلیل القدر تلامذہ کے نادر قلمی نسخوں اور مخطوطات کو جدید تحقیقی معیار پر مرتب کر کے شائع کیا جائے، اور جامعات کی سطح پر ان کے اصولِ استدلال و فقہی منہج پر مزید تفصیلی اور تقابلی تحقیقات کا اہتمام کیا جائے۔

[1] معیار الحق فی تنقید تنویر الحق، ص:59۔

[2] سرخیل علماء ومحدثین سید نذیر حسین محدث دہلوی، ص:46۔